© rasailojaraid.com

مولانا سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ......علم وعمل کا سچا کردار

مولانا زاہد الراشدی

مولانا زاہد الراشدی مدظلہٗ نے یہ مضمون، حضرت مولانا سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ کے انتقال (۲۴؍ اکتوبر ۱۹۹۵ء) کے موقع پر تحریر فرمایا تھا۔ (ادارہ)

جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام تو سن رکھا تھا کہ ’’شاہ جی‘‘ امیرِ شریعت رحمہ اللہ تعالیٰ کے بڑے بیٹے ہیں اور بہت بڑے عالم ہیں لیکن دیکھنے کا موقع اس وقت ملا جب ایوب خان مرحوم نے ۱۹۶۲ء میں مارشل لا ختم کر کے ملک میں سیاسی سرگرمیاں بحال کیں اور مجلس احرار اسلام نے ملک کے مختلف شہروں میں جلسے منعقد کر کے جماعتی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ انہی دنوں گوجرانوالہ کے شیرانوالہ باغ میں مجلس احرار اسلام کا جلسہ تھا اور مولانا سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اس جلسے کے مرکزی مقرر تھے۔

میرا طالب علمی کا دور تھا، مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں پڑھتا تھا اور جمعیت علما اسلام کے ساتھ ذہنی وابستگی ہو چکی تھی، لیکن مجلس احرار اسلام کے ماضی اور کارناموں سے بھی بے خبر نہ تھا۔ اس لیے کہ چودھری افضل حق مرحوم کی ’’تاریخ احرار‘‘ مولانا مظہر علی اظہر مرحوم کی ’’دنیا کی بساط سیاست‘‘ اور ’’تحریک مدح صحابہ‘‘ اور آغا شورش کاشمیری مرحوم کی ’’خطبات احرار‘‘ نظر سے گزر چکی تھیں، بلکہ سیاسیات کے حوالہ سے میں نے زندگی میں سب سے پہلے جن کتابوں کا مطالعہ کیا وہ یہی چار کتابیں ہیں۔ انہیں میں نے نہ صرف پڑھا بلکہ بار بار پڑھا اور اپنے ذہن وفکر پر ان کے اثرات ابھی تک محسوس کر رہا ہوں۔ اس لیے ’’جماعتی معاصرت کے فطری جذبے کے باوجود احرار رہنماؤں کے ساتھ قلبی تعلق قائم رہا اور اب بھی بحمد اللہ قائم ہے۔

مولانا سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو سب سے پہلے شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ کے جلسہ میں دیکھا اور سنا، سرخ کرتا پہنے، ہاتھ میں کلہاڑی پکڑے ہزاروں کے اجتماع میں وہ ملک کے مسائل پر پوری فصاحت وبلاغت کے ساتھ اپنے بے باک خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔ علم اور خطابت کا حسین امتزاج تھا اور اس پر جرأت و بے باکی اور خلوص و وفا کے جذبات کا اضافہ بھی۔ اس لیے متاثر نہ ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ چنانچہ جلسہ کے بعد اپنے طالب علم ساتھیوں کے سامنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے میں نے کہا کہ ’’یہ شخص اگر اسی طرح پورے ملک میں چلتا رہا تو اس کے سامنے کسی کا چراغ نہیں جل سکے گا‘‘، لیکن مجلس احرار اسلام قیادت کی صف بندی اور اس کی ترجیحات کے تعین میں ایسی الجھی کہ وقت اس کے فیصلے کا انتظار کیے بغیر آگے بڑھ گیا اور پھر اس خلا کو پُر کرنے کے لیے جمعیت علما اسلام آگے بڑھی اور بڑھتی چلی گئی۔

مولانا سید ابوذر بخاری اپنے وقت کے جیّد اور وسیع المطالعہ علما میں شمار ہوتے تھے، خطابت انہیں اپنے والد مرحوم سے ورثہ میں ملی تھی، کتاب بینی کا ذوق جنون کی حد تک رکھتے تھے۔ سخن فہمی اور شعر وادب کا ذوق اعلیٰ درجے کا تھا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گفتگو کے سلیقہ سے بھی بہرہ ور تھے۔ اس لیے جب کسی موضوع پر گفتگو کرتے تو گھنٹوں بے تکان بولتے چلے جاتے اور مستند معلومات کے ساتھ ساتھ کتابوں کے حوالوں کا انبار لگا دیتے، بلاشبہ ان کی مجلس میں کچھ دیر بیٹھنے کے بعد یوں محسوس ہوتا جیسے کسی بڑی لائبریری میں وقت گزار کر آئے ہیں۔

وہ سیاست میں اپنے مرحوم والدگرامی امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے افکار و نظریات، ان کی وضع داری اور حق گوئی کی روایات کے امین تھے۔ مجلس احرار اسلام کے ساتھ عشق کی حد تک لگاؤ رکھتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد مجلس احرار اسلام نے انتخابی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور اپنی سرگرمیاں تحفظ ختم نبوت کے شعبہ تک محدود کر کے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے خواہش مند احرار کارکنوں کو دوسری سیاسی جماعتوں میں جانے کی اجازت دے دی تھی، اس سلسلہ میں مولانا سید ابوذر بخاریؒ کا مؤقف یہ تھا کہ

''حضرت امیر شریعت اور قائدین احرار نے جنوری ۱۹۴۹ء میں معروضی حالات کے تحت مروجہ انتخابی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی تھی۔ قادیانیوں اور دیگر لادین قوتوں کی طرف سے پاکستان اور پاکستان کی دینی قوتوں کے خلاف وسیع سازش اور منصوبہ بندی کو ناکام بنانے کے لیے یہ حکمت عملی اختیار کی۔ مرزائی پاکستان کے اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت برپا کی گئی اور مرزائیوں کو سیاسی و دینی محاذ پر تاریخ ساز شکست سے دوچار کیا۔''

وہ بعض حضرات کے اس مؤقف کو سراسر غلط قرار دیتے کہ ''امیر شریعت نے مجلس احرار کو ختم کر دیا تھا۔''

ان کا مؤقف تھا کہ: ''جماعت کو ختم نہیں کیا تھا بلکہ انتخابی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی تھی۔'' وہ ساری زندگی احرار کارکنوں کو منظم کرنے اور احرار اسلام کو ایک متحرک سیاسی قوت طور پر سامنے لانے کی کوششوں میں مصروف رہے۔

مولانا سید ابوذر بخاری دراصل علم و مطالعہ کے شعبہ کے آدمی تھے، لیکن بے رحم سیاست نے ان کے اور ان کے معاصرین کے درمیان حجابات اور ترجیحات کی ایسی لکیریں کھینچ دیں کہ ان کی علمی و دینی شخصیت سے وہ فائدہ نہ اٹھایا جاسکا جو ان کا اور ان سے زیادہ ان کے اہل زمانہ کا حق تھا ورنہ وہ اگر عملی سیاست کے جھمیلوں میں الجھ کر نہ رہ جاتے تو علمی و فکری محاذ پر اہل علم و دانش کے لیے رہنمائی اور استفادہ کا ایک مضبوط مرکز اور مرجع ہوتے۔

وہ ایک اچھے ادیب اور منفرد شاعر بھی تھے۔ ان کی متعدد نگارشات مختلف جرائد اور کتابچوں کی شکل میں چھپ چکی ہیں جو ان کے علمی و ادبی ذوق کی آئینہ دار ہیں۔ انہیں اردو کے علاوہ عربی اور فارسی پر بھی قدرت حاصل تھی اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے والد حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مجلسی ذوق سے بھی بہرہ ور اور مجلس آرائی کے فن سے آشنا تھے۔ ان کی مجلس میں ہر ذوق کے لوگوں کو اپنا حصہ مل جاتا تھا۔

مولانا سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ بے شمار ملاقاتیں ہوئیں۔ عام جلسوں میں ان کے طویل خطابات سنے اور نجی محفلوں کی بے تکلفانہ گپ شپ کا حظ بھی اٹھایا۔ مجھے ان کے مطالعہ کی وسعت اور معلومات کے استحضار نے سب سے زیادہ متاثر کیا حتیٰ کہ بسا اوقات صرف اس لیے ان سے ملاقات و مجلس کے مواقع تلاش کرتا تھا کہ بہت سی مستند معلومات کسی لمبے چوڑے مطالعہ کی کلفت اٹھائے بغیر ان کے ہاں مل جایا کرتی تھیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہیں جمعیت علما اسلام کی سیاسی پالیسیوں سے ہمیشہ اختلاف رہا اور مجھے ایک عرصہ تک سیکرٹری اطلاعات کی حیثیت سے جمعیت کے ترجمان کی حیثیت حاصل رہی، وہ اپنے اختلاف کا کھل کر اظہار کرتے تھے اور لگی لپٹی رکھے بغیر کرتے۔ ایک صاحب علم اور صاحب رائے کے طور پر میں ان کا یہ حق سمجھتا تھا۔ اس لیے اختلافات اور ان کے اظہار میں ایک گونہ شدت کے باوجود اُن سے میری عقیدت کا سلسلہ بدستور قائم رہا۔ حتیٰ کہ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ لطیفہ بھی ریکارڈ میں آ جائے تو شاید نامناسب نہ ہو۔ ایک دور میں جمعیت علما اسلام کے امیر حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی نوّر اللہ مرقدہٗ نے دیوبندی مکتب فکر کے سرکردہ علما کو جامعہ مخزن العلوم خان پور میں جمع کرنے کا اہتمام کیا۔ عمومی جلسہ بھی تھا اور مختلف دیوبندی جماعتوں کے رہنماؤں کے مشترکہ خصوصی اجلاس کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ، حضرت مولانا سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ اور حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ سمیت بیشتر دیوبندی علما جمع تھے۔ مولانا سید ابوذر بخاری کا خطاب ظہر کے بعد کی نشست میں تھا جبکہ مولانا مفتی محمود نے رات کی نشست میں خطاب کرنا تھا۔ معاملہ خاصا نازک تھا، مولانا سید ابوذر بخاریؒ نے اپنے تفصیلی خطاب میں روئے سخن مفتی محمود صاحبؒ ہی کی طرف رکھا اور اپنے مخصوص اندازِ خطابت کے دائرہ میں وہ جو کچھ کہہ سکتے تھے کہہ گئے۔ سٹیج پر میں بھی موجود تھا بلکہ حضرت مولانا سید ابوذر بخاریؒ کی کرسی کے بالکل ساتھ فرشی نست پر آلتی پالتی مار کر بیٹھا تھا اور اپنی جماعت کی پالیسیوں کے خلاف ان کی خطیبانہ گھن گرج سے محظوظ ہو رہا تھا۔ نشست ختم ہوئی، پتہ چلا کہ حضرت مولانا مفتی محمودؒ تشریف لے آئے ہیں۔ ان کی قیام گاہ پر ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو انہیں حضرت مولانا سید ابوذر بخاریؒ کے خطاب کی رپورٹ مل چکی تھی، صورت حال کی نزاکت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے مفتی صاحب جمعیت علما اسلام کے سیکرٹری جنرل تھے اور میں سیکرٹری اطلاعات، جب کہ جمعیت ہی کے امیر کے طلب کردہ جلسہ میں جمعیت کی پالیسیوں کے خلاف ٹھیک ٹھاک قسم کی تقریر ہوئی تھی۔ مفتی صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں مجھ سے پوچھا ”تم نے تقریر سنی؟“ میں نے عرض کیا ”جی ہاں! پھر پوچھا تم کہاں تھے؟ میں نے جواب دیا کہ سٹیج پر! پھر دریافت کیا ”سن لی! میں نے عرض کیا ”جی ہاں سن لی! اس کے بعد مفتی صاحب نے پوچھا ”پھر کیا خیال ہے؟“ میں نے عرض کیا کہ ”میرا خیال ہے کہ یہ تقریر یہاں نہیں بلکہ کل کے مشترکہ اجلاس میں ہونی چاہیے تھی۔“ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے چہرے پر کچھ برہمی سی نمودار ہوئی اور فرمایا ”کیا مطلب؟ تمہیں باتوں سے اختلاف نہیں صرف جگہ سے اختلاف ہے؟“ میں نے گزارش کی کہ ”ہاں! مجھے جگہ سے اختلاف ہے اس لیے کہ اس قسم کی باتیں آمنے سامنے ہو جائیں تو زیادہ بہتر رہتی ہیں۔ مفتی صاحب نے پھر پوچھا کہ اب میں کیا کروں؟ میں نے عرض کیا کہ میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے خطاب میں اس بات کا اشارہ بھی نہ دیں کہ آپ کے خلاف اس سٹیج پر کوئی تقریر ہوئی ہے۔ یہی بات بعد میں حضرت درخواستی رحمہ اللہ نے بھی ان سے فرمائی چنانچہ مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ایسا ہی کیا اور ایک نیا محاذ گرم ہوتے ہوتے رہ گیا۔

ایک دفعہ جمعہ کے روز ایسا ہوا کہ مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں جمعہ کی نماز پڑھا کر مسجد کے ہال سے باہر نکلا تو اچانک دیکھا کہ دیوار کی اوٹ میں مولانا سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ تشریف فرما ہیں۔ اللہ اکبر...... یہ کیا ہوا؟ آگے بڑھ کر مصافحہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ ”حضرت“ آپ نے یہ کیا ظلم کیا؟“ فرمایا میں جمعہ کے آغاز میں ہی آ گیا تھا مگر جان بوجھ کر چھپا رہا کہ تم نے دیکھ لیا تو پیچھا نہیں چھوڑو گے۔ سچی بات ہے، بہت صدمہ ہوا کہ میں اور جامع مسجد کے نمازی ان کے خطاب سے محروم رہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئے۔فرمانے لگے گکھڑ جانے کے ارادہ سے آیا ہوں، حضرت شیخ الحدیث صاحب (میرے والد محترم مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ) سے ملنے کی خواہش ہے اور آپ کو ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔عرض کیا کہ چائے وغیرہ ہو جائے پھر چلتے ہیں، فرمایا کہ نہیں سب کچھ وہیں ہوگا آپ ساتھ چلیں۔ میں ساتھ ہولیا، گکھڑ پہنچے، حضرت والد صاحب سے ملاقات ہوئی، کچھ دیر گفتگو رہی، تشریف آوری کا مقصد پوچھا تو کہنے لگے کہ صرف ملاقات و زیارت کے لیے آیا ہوں۔چائے سے فارغ ہوئے، رخصت ہونے لگے تو پلیٹوں میں بچی ہوئی مٹھائی کی طرف دیکھ کر حضرت والد صاحب سے کہا کہ ’’حضرت! اگر اجازت ہو تو یہ تبرک ساتھ رکھ لوں‘‘ اور پھر تبرک سنبھالے جس محبت کی فضا میں رخصت ہوئے اس کا منظر ابھی تک نگاہوں کے سامنے گھوم رہا ہے۔

حضرت مولانا سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ سے آخری ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ بستر علالت پر تھے۔ میں ملتان گیا ہوا تھا، بیمار پرسی کے لیے حاضر ہوا تو بہت خوش ہوئے۔ حضرت والد صاحب کی صحت کے بارے میں بار بار پوچھتے رہے۔ میرے حوالہ سے کوئی بات سن رکھی تھی اس کا ذکر کیا اور فرمایا کہ تم سے براہِ راست سننا چاہتا ہوں تا کہ سند متصل رہے اور ’’رواہ البخاری‘‘ کہہ سکوں۔ بات اب مجھے یاد نہیں مگر اتنا نقشہ ضرور ذہن میں ہے کہ انہیں بات جس انداز سے پہنچی اس میں کچھ مبالغہ آمیزی بھی شامل تھی میں نے اصل بات عرض کی تو شکریہ ادا کیا اور دعا دی۔

مولانا سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ، حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے فرزند تھے مگر ان کا صرف یہی تعارف نہیں تھا بلکہ وہ اپنے علم و فضل، وضع داری، وسعت مطالعہ اور بہت سے معاملات میں اپنی مستقل رائے کے حوالہ سے جداگانہ تشخص بھی رکھتے تھے۔اے کاش یہ ’’تشخص‘‘ حالات کی نامساعدت کی نذر نہ ہو جاتا اور اہلِ حق کا قافلہ وسیع تر دائرے اور تناظر میں ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا سکتا۔

موت ہر ذی روح کے لیے مقدر ہے اور ہر شخص نے اپنے وقت پر اس دنیا سے بہر حال چلے جانا ہے لیکن بعض اموات کی کسک حسّاس دلوں کو بہت دیر تک اپنے وجود کا احساس دلاتی رہتی ہیں۔ حضرت مولانا سید ابوذر بخاری جیسے عالم دین، محقق، دانش ور، ادیب، شاعر، خطیب اور وضع دار رہ نما کی یاد بھی ان کی موت کے بعد ایک عرصہ تک ان کے دوستوں کے دلوں میں تازہ رہے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں۔ آمین یارب العالمین

© rasailojaraid.com